Witness to History

شمشاد احمد خان صاحب سے پہلی ملاقات' دس برس پہلے ہوئی تھی۔ اسٹاف کالج میں ایک معلم کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ شمشاد صاحب نے کوئی ایک گھنٹہ لیکچر دیا' جو سچائی' حقیقت اور وطن دوستی سے معمور تھا۔ بہت کم لوگوں کو دل سے بولتے سنا ہے۔ خان صاحب اسی قافلہ کے شاندار مسافر ہیں۔

ان کی باتوں سے پہلی بار' کارگل جنگ کی سچائی سننے کو ملی۔ وہ عوام کو سنائی گئی طوطا کہانی سے بالکل متضاد تھی۔ بہر حال' مجموعی طور پر شمشاد احمد ایک سحر انگیز گفتگو کر کے واپس گئے۔ کئی بار مجھے یوں لگا کہ ملک سے عشق ان کی روح میں ایسے گندھا ہوا ہے۔ جس کا ثبوت ان کی آنکھوں سے برسات کی جھڑی سے معلوم پڑتا تھا۔ ابتدائی زندگی پر نظر ڈالنا اس لیے ضروری ہے کہ ان کی شخصیت اور جذبات کو سمجھنا قدرے آسان رہے۔ 1965 کے پر آشوب دور میں' فارن سروس میں مقابلے کے امتحان کے ذریعے آئے۔ سفارتی زندگی کا یہ سفر دشوار گزار گھاٹیوں سے ہوتا ہوا اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمایندے کی حیثیت سے اختتام پذیر ہوا۔ ان سے نسبت کوئی تین برس قبل شروع ہوئی۔ جب بالمشافہ' متعدد جگہ پر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ان کی بے لاگ گفتگو ہر بار' دل میں گھر کر جاتی تھی۔ ساتھ ساتھ' ان سے تعلق ذاتی نوعیت کا بھی ترتیب ہوتا چلا گیا۔ ٹیلی فون پر بھی بات چیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو آج تک قائم ہے۔ ایک دن بتانے لگے کہ ایک تحقیقی کتاب لکھ رہا ہوں۔ جس میں پاکستان میں ہونے والے اہم ترین واقعات کا صرف تلخ سچ ہو گا۔ جذباتیت سے دور' یہ تحریر لوگوں کو ایک شعور دینے کا ذریعہ بنے گی جنھیں ملکی سنجیدہ معاملات کا اصل علم کبھی ہو ہی نہیں پاتا۔ بہر حال' چند ہفتے پہلے' ان کی جانب سے ایک ضخیم نسخہ موصول ہوا۔ جس کا عنوان تھا۔ Withes to histor-664 صفحات پر مبنی یہ کتاب اپنے سرورق کی طرح مکمل طور پر نایاب معلوم پڑی۔ کتاب ملنے پر شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا۔ تو حکم ملا کہ' اس کی تقریب رونمائی میں بھی آنا ہے۔

اب' پڑھے بغیر' تو اس تقریب میں جایا نہیں جا سکتا تھا۔ لہٰذا' تین دن میں کتاب پڑھ ڈالی۔ یقین فرمایئے۔ حد درجہ پر لطف اور زرخیز معاملہ رہا۔ انگریزی زبان میں ویسے بھی ہمارے ملک میں کتاب لکھنے کا بہت کم رواج ہے۔ مگر شمشاد صاحب نے تو انگریزی لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ الفاظ کیا ہیں، ہیرے موتی جڑے محسوس ہوتے ہیں۔ اہم ترین مسئلوں میں سفارت کاری کی پختگی' تحریر کا لطف دوبالا کر ڈالتی ہے۔ بدقسمتی سے' تقریب میں نہ جا سکا۔ وجہ حد درجہ معقول تھی۔ موسم کے بدلنے سے دو دن' بدن دکھتا رہا۔ ایسے لگتا تھا کہ بخار میں ہوں۔ مگر بخار نہیں تھا۔ ناساز طبیعت کی وجہ سے' اس مجلس میں جا ہی نہیں پایا' جہاں اس نسخہ کو باقاعدہ لوگوں کے روبرو پیش کیا جا رہا تھا۔ امید ہے کہ شمشاد صاحب' میری غیر حاضری کو جائز عذر کی وجہ سے معاف فرما دیں گے۔

کتاب کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرواتا ہوں۔ ویسے تو اس کتاب کا ہر باب' ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ مگر ان معاملات کو آپ کے سامنے رکھوں گا جو آپ کی دلچسپی کا باعث بن سکے۔ ''کارگل کی لڑائی کے دوران حیرت انگیز معاملات نمودار ہوتے رہے۔ 2 جولائی 1999 کو ڈیفنس کمیٹی کی ایک میٹنگ وقوع پذیر ہوئی جس میں بطور سیکریٹری خارجہ' میں نے اور چیف آف آرمی اسٹاف جنرل مشرف نے بریفنگ دی۔ وزارت خارجہ کا موقف بڑا واضح تھا کہ جنگ کو فوری طور پر ختم ہونا چاہیے۔ مگر جنرل مشرف اس میٹنگ میں کسی قسم کا فیصلہ نہ ہونا چاہتے تھے۔ انھیں پتا تھا کہ نواز شریف خفیہ طور پر صدر کلنٹن سے رابطے میں ہیں۔ جنرل مشرف بھی اپنے ذرایع کے ذریعے واشنگٹن سے قریبی رابطے میں تھے۔ مگر دونوں یہ بات ایک دوسرے سے خفیہ رکھ رہے تھے''۔

شمشاد صاحب بلیئر ہاؤس کی میٹنگ کے متعلق آگے لکھتے ہیں۔ ''امریکی حکام کا کہنا تھا کہ سیکریٹری خارجہ شمشاد احمد کو کسی بھی اہم میٹنگ کا حصہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ وزیر اعظم نواز شریف کو کسی قسم کی مراعات دینے سے روک سکتے ہیں''۔ ''بلیئر ہاؤس سمٹ کے دوران وزیر اعظم نواز شریف نے کلنٹن کو کہا کہ وہ ایک معتدل مزاج انسان ہیں۔ اور امریکی صدر کو چاہیے کہ وہ ہندوستان کو مذاکرات کی میز پر لانے کی کوشش کرے۔ نواز شریف کی آواز میں کسی قسم کا کوئی اعتماد نہیں تھا''۔ 12 اکتوبر 1999 کے فوجی ٹیک آور کے مطلق شمشاد صاحب لکھتے ہیں۔ ''کہ اس دن صبح سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی بڑا مسئلہ درپیش ہے۔ پانچ بجے شام کو میں آفس میں بیٹھا تھا جب سبز سرکاری فون پر نواز شریف نے کال کی اور کہا کہ شمشاد صاحب یہ لوگ آ چکے ہیں''۔

''رات گئے جی ایچ کیو سے جنرل عزیز سی جی ایس کا فون آیا کہ آپ نے صبح سات بجے جی ایچ کیو پہنچنا ہے۔ اور آپ جنرل مشرف سے ملنے والے پہلے فیڈرل سیکریٹری ہوں گے۔ شمشاد صاحب کے بقول جب وہ صبح سات بجے جی ایچ کیو پہنچے تو وہاں امریکی سفیر ویلم میلام اور ملیحہ لودھی پہلے سے موجود تھیں۔ میں نے ہمیشہ یہ گمان رکھا ہے کہ سویلین قیادت اپنی نااہلی کی بدولت ریاستی اداروں کو جگہ فراہم کرتی ہے جہاں وہ ملک پر بڑے آرام سے قابض ہو جاتے ہیں۔ جنرل مشرف نے اپنے آپ کو ایک رحم دل ڈکٹیٹر کے طور پر متعارف کروایا اور اس نے مارشل لاء لگانے سے انکار کر دیا''۔

''مشرف' چیف ایگزیکٹو بننے کے بعد 25 اکتوبر کو ریاض پہنچے۔ کنگ فہد اور ان کی ٹیم نے جنرل مشرف کو حد درجہ عزت و احترام دیا۔ ایک دن بعد ولی عہد عبداللہ سے یانبو شہر میں مشرف کی ملاقات ہوئی۔ پرویز مشرف نے ولی عہد کو پاکستان کی صورت حال سے مکمل طور پر آگاہ کیا۔ رات کے کھانے کے بعد تقریباً کئی گھنٹے کی علیحدہ ملاقات ہوئی۔ جس کے بعد ولی عہد اور مشرف باہر نکلے تو ان کے ہاتھوں میں رقص کرنے والی تلواریں تھیں۔ انھیں ناچتا دیکھ کر تمام سعودی بھی اس میں شامل ہو گئے۔ یہ اس چیز کی طرف واضح اشارہ تھا کہ سعودی حکومت نے مشرف کی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے''۔ 25 مارچ 2002 امریکی صدر ہندوستان سے اسلام آباد آئے۔ کلنٹن صرف چھ گھنٹے کے لیے اسلام آباد رکے اور وہ ایک ایسے جہاز میں آئے جس کے اوپر کسی قسم کے نشانات نہیں تھے۔ صدر کلنٹن کو جنرل مشرف کے پاس لے جایا گیا جہاں ان قائدین کی طویل ملاقات ہوئی مگر اس میٹنگ کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ صدر کلنٹن نے پرویز مشرف کو یہ ضرور کہا کہ نواز شریف کو پھانسی نہیں لگنی چاہیے۔ بعد میں امریکی صدر کلنٹن نے جنرل مشرف کو مجبور کیا کہ وہ نواز شریف اور ان کے خاندان کے لیے معافی کا اعلان کریں۔ اور اس کے بعد انھیں سعودی عرب روانہ کر دیا جائے''۔ ''اپریل 2000 میں کیوبا میں جی 77 کی میٹنگ ہوئی۔ اس میں جنرل مشرف بھی شامل تھے۔ یہ اپریل 12 سے لے کر 14 تک رہی۔ پہلے دن یاسر عرفات جو پی ایل او کے چیئرمین تھے' ان کے ساتھ مشرف کی میٹنگ ہوئی۔ اس ملاقات کی خاص بات یہ تھی کہ یاسر عرفات نے دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ کہا کہ تمام عرب دنیا فلسطین کے معاملے کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ اگر پاکستان بھی اس معاملے میں مثبت کردار ادا نہیں کرتا' تو فلسطین کا ایشو ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ اسامہ بن لادن کے متعلق دلچسپ جملے درج کیے گئے ہیں۔ 9/11 کی تباہی کو اسامہ بن لادن سے جوڑا گیا۔ مگر پروفیسر برہان الدین ربانی نے بار بار کہا کہ اتنا مربوط' تکنیکی طور پر حد درجہ پروفیشنل آپریشن کرنا طالبان اور اسامہ بن لادن کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کی زندگی کے متعلق شمشاد احمد لکھتے ہیں کہ ان کے پاس پی ایم ن کے رہنما احسن اقبال آئے۔ اور مسلم لیگ ن میں شمولیت کی دعوت دی۔ جو میں نے رد کر دی۔ بالکل اسی طرح محترمہ بے نظیر بھٹو نے جہانگیر بدر کو بھیجا کہ میں پیپلز پارٹی میں آ جاؤں۔ مگر میں نے پھر انکار کر دیا۔ 2013 میں شہباز شریف نے دعوت دی کہ میں سیاسی حکومت کے لیے کوئی ایسا ایجنڈا ترتیب کروں جس سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔ جب میٹنگ شروع ہوئی تو میں نے نظام کی تبدیلی کے متعلق طویل تجاویز دیں۔ چوہدری نثار علی خان نے برجستہ کہا کہ شمشاد صاحب نظام کو تبدیل نہیں کرنا۔ اس کے بعد میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ صدمے اور غصے کی حالت میں میٹنگ سے اٹھ کر واپس آ گیا۔ کتاب کے آخر میں احمد ندیم قاسمی صاحب کا ایک قطعہ بھی درج ہے۔

کیا اپنا سراغ خود نہیں پاؤ گے؟
کیا پھر کوئی اجنبی بلا لاؤ گے؟
یہ راہ تو اس موڑ پہ مڑ جائے گی
اے اہل وطن! کہو کہاں جاؤ گے

سنجیدہ رائے ہے کہ پاکستان کے معاملات پر اتنی سبق آموز اور حقائق پر مبنی کتاب شاید اب تک نہیں لکھی گئی۔ یہ عظیم کام شمشاد صاحب کے ذمے آن پڑا تھا جسے انھوں نے حد درجہ ایمان داری اور خوبصورتی سے سرانجام دیا۔ پاکستان کے ہر سنجیدہ انسان کے پاس یہ کتاب ہونی چاہیے۔ تاکہ ہم لوگ اصل اور نقل کا فیصلہ کر سکیں۔ اور شاید ہمارا مستقبل بہتر ہو سکے۔ جس کی مجھے قطعاً کوئی امید نہیں ہے۔